Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 36, Sr.No.99, 2015, pp 15 - 22

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۶، اپریل۔ جون ۲۰۱۵ء، شمارہ ۹۹

جمیل الرحمٰن کی نظم ''شادی'' ایک لسانی منظرنامہ

ڈاکٹر نوید شہزاد☆

Abstract:

In this article some linguistics issues have been discussed and a poem titled "Shadi", narrated by Jamil ur Rehman has been criticillay evaulated. Some social issues, poetic themes, deep relation between Urdu and Punjabi language and literature and poetry in particular is critically discussed.

Key Words: Urdu Poetry, Punjabi Cultural, Poem "Shadi" evaluation.

''لیل ونہار'' میں بعنوان ''اردو کے نادان دوست''(1) مضمون شائع ہوا۔ جس میں مضمون نگار کا مؤقف یہ تھا کہ تمام پاکستانی زبانیں ہماری اپنی ہیں اور لسانی سیاست میں ملوث ہستیوں کو اپنے رویے پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے نہ صرف پاکستانی زبانوں کو اُن کا جائز مقام دینا ہوگا بلکہ اردو کے مستقبل کو بھی ان زبانوں کی ترقی کے ساتھ متصل کرنا ہوگا۔ یہ 1970ء کی بات ہے۔ اس کے بعد کراچی سے شائع ہونے والی کتاب ''اردو قوم''(2) میں پاکستانیوں کے لیے یہ تجویز کیا گیا کہ اگر

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ پنجابی، پنجاب یونیورسٹی لاہور

مُلک کو قائم دائم رکھنا ہے تو پھر تمام پاکستانی زبانوں اور مختلف تہذیبوں کو مٹا کر ایک زبان کی بنیاد پر ایک اردو قوم کو شعوری سطح پر جنم دینا ہوگا۔ اس کے لیے جو طریقے تجویز کیے گئے اُن میں ایک طریق بلا تمیز زبان آپس میں رشتوں ناطوں (شادیوں) کا تھا۔ 08-1907ء میں روزنامہ ''پیسہ اخبار'' (لاہور) کے ایڈیٹر مولوی محبوب عالم اور ان کے حامیان نے پنجابی زبان کو محض بول چال کی بولی کہا اور پھر 29 جون 2011ء کو روزنامہ ''نوائے وقت'' (لاہور) میں ایک مضمون بعنوان'' پنجابی زبان کا مقدمہ'' شائع ہوا۔ جس میں لکھا گیا: ''اردو ہماری قومی اور مقتدر زبان ہے یہ دنیا کی چند بڑی زبانوں میں شامل ہوتی ہے۔ اس پر ملکہ حاصل کرنا ہر پاکستانی پر فرض ہے۔ لیکن تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ چھوٹے بچے کو شروع دن سے ہی دو یا دو سے زیادہ زبانیں بہ یک وقت سکھائی جاسکتی ہیں۔ اس لیے بچوں سے بچپن سے ہی اردو اور پنجابی میں بات کرنا انہیں اس قابل بنا سکتا ہے کہ وہ دونوں زبانیں سیکھ جائیں۔'' (3) اس مضمون کے آخر میں ادارہ نے یہ نوٹ دیا: ''پنجابی ماں بولی ضرور ہے، زبان نہیں۔ عزیز الرحمٰن میاں صاحب کوشش بھی کریں تو اپنا مضمون پنجابی میں نہ لکھ سکیں۔ یہ صرف بولی ہے، یعنی بولی جاتی ہے، لکھی نہیں جاتی'' (4)

یوں جو پنجابی زبان کا پس منظر تھا وہی اس کا پیش منظر ٹھہرا یعنی پنجابی زبان تقسیم پاک و ہند سے پہلے بھی محض بول چال کی بولی قرار دی گئی اور آج جب وطن عزیز کو وجود میں آئے ہوئے تقریبا پینسٹھ برس بیت چکے، تب بھی محض بول چال کے لیے استعمال کی جانے والی بولی ہے۔ اب آتے ہیں جمیل الرحمٰن کی نظم ''شادی'' کی طرف، جسے وطن عزیز کا لسانی منظر نامہ کہا جاسکتا ہے۔ نظم دیکھیے:

مرا بچپن
ایک ہزاروی دوشیزہ کے
دل رُبا چہرے اور گھنی زلفوں میں اُلجھا رہا
لڑکپن
ایک بنگالی لڑکی کی گہری آنکھوں میں ڈوب گیا

بنگلہ دیش کی آزادی

مجھے سحرِ بنگال سے محروم کر گئی

میری روح کے گیت

برہم تیرا کی موجوں کے ساتھ بہہ گئے

اور میرا دل

مچھیروں کے جال میں

کہیں اٹکا رہ گیا

ہے......شش......ادھر آؤ

میں نے سرگوشی میں اپنی چھوٹی بہن سے کہا

مجھے ماروی بہت اچھی لگتی ہے

میں اُس سے شادی کرنا چاہتا ہوں

اُونہہ......وہ تو سندھی ہے

نہیں بھیا ایک پنجابی کی سندھی سے شادی کیسے ہو سکتی ہے؟

میں نے اپنے والد کو بتایا

مجھے پشمینہ سے پیار ہو گیا ہے

میں اُس سے شادی کرنا چاہتا ہوں

پشمینہ کون ہے؟

میرے والد نے پوچھا

ابا! پشمینہ ایک بلوچی لڑکی ہے

نہیں بیٹے

تمہاری شادی کسی بلوچی سے نہیں

ایک پاکستانی لڑکی سے ہوگی!
امی جی! کیا بات ہے بیٹا؟
زینب سے میری شادی کرادیں
وہ مجھے بے حد پسند ہے
بیٹے! وہ تو پٹھان ہے
پختونوں اور پنجابیوں کی ثقافت میں
اور پھر گھر میں کسی کو پشتو بھی نہیں آتی!
ارے............ بڑے بھیا!
ہونہ! ہوگا پھر وہی شادی کا قصہ
جی بھیا! مجھے فرح سے شادی کرنی ہے
فرح سے؟
ارے ہم اہل زبان ہیں اُردو سپیکنگ
اور وہ پنجابی..................
ہمارے ساتھ اُس کا گزارا نہیں ہوگا!
میں نے اپنے والد سے کہا
ابا جی! آپ کو میری شادی کرنی ہے یا نہیں؟
کرنی ہے بیٹے لیکن کوئی پاکستانی لڑکی بھی ملے!
میرے والدین میرے لیے
ابھی تک پاکستانی لڑکی تلاش کر رہے ہیں!
اور میں نے دیارِ غیر میں
جس سے شادی کرلی ہے
وہ صرف ایک لڑکی ہے!(5)

جمیل الرحمٰن کا یہ بیانیہ چونکہ ایک تاریخی حقیقت لیے ہوئے ہے۔ اس لیے اسے شعوری تخلیق کہا جائے گا۔ نظم کے آغاز کے بعد سب سے پہلے چھوٹی بہن، پھر والد، پھر ماں، پھر بڑے بھائی اور آخر میں اپنے والد کو دوبارہ مخاطب کیا گیا ہے۔ رشتوں کی اس ترتیب کو سماجی کہا جانا چاہیے یا جذباتی۔ کیا اسے فطری ترتیب بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ چھوٹوں کا ردِّعمل چاہے جتنا بھی شدید ہو مگر وہ رکھ رکھاؤ کے ایک خاص دائرے سے باہر نہیں نکلتا، شاید اسی لیے سب سے پہلے دل کی بات چھوٹی بہن سے کہی گئی۔ جواب نفی میں ملنے پر والد سے مدعا بیان کیا گیا۔ گو مدعا وہی ہے مگر اس بار کردار بدل گیا یعنی سندھی کی جگہ بلوچی لڑکی۔ یہاں سے مایوسی ملی تو ماں کو مخاطب کیا گیا۔ مگر لڑکی اس بار بھی بدل گئی کہ اب پختون زینب۔ یہاں سے بھی اُمید بر نہ آنے پر بڑے بھیا کو پنجابی لڑکی فرح کے لیے پکارا گیا مگر جواب وہی ملا۔ یہاں تک شاعر کا اظہار صرف اپنی خواہش یا دل کی بات بتانے تک محدود ہے۔ مگر آخر میں جب دوبارہ والد کو مخاطب کیا گیا تو لہجے میں ناراضگی، بغاوت اور مزاحمت نمایاں ہے۔ شاعر نے ہر رشتے سے مدعا تو ایک ہی، یعنی شادی کرنے کی بات، بیان کیا مگر ہر بار لڑکی بدلتی گئی، جو شاعر کے مخصوص رویے کو سامنے لاتی ہے۔ مگر اس بنیاد پر شاعر کو 'ہرجائی' نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ ایسا کرنا نہ صرف ایک خاص لسانی سوچ کو سامنے لانے کے لیے ناگزیر تھا بلکہ اسے شعوری اہتمام کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس ساری نظم میں بظاہر ایک تضاد بھی دکھائی دیتا ہے۔ جب شاعر سے اُس کی بہن کہتی ہے کہ:

''نہیں بھیا
ایک پنجابی کی سندھی سے شادی کیسے ہو سکتی ہے؟'' (6)

اسی طرح کی بات ماں بھی کرتی ہے:

''بیٹے وہ تو پٹھان ہے
پختونوں اور پنجابیوں کی ثقافت میں بہت فرق ہے'' (7)

ان باتوں سے گواہی ملتی ہے کہ شاعر پنجابی سپیکنگ ہے۔ مگر بڑے بھیا کی یہ بات کہ:

ارے ہم اہل زبان ہیں اردو سپیکنگ

اور وہ پنجابی................'' (8)

بتاتی ہے کہ شاعر اردو سپیکنگ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاعر پنجاب میں بسنے والے ایسے اردو خاندان سے تعلق رکھتا ہے جس کی خواتین پنجاب کی شہریت و شناخت قبول کر چکی ہیں۔ دونوں خواتین دو مختلف نسلوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ ماں، کہ جس کا تعلق پاکستان کے ابتدائی دور سے اور چھوٹی بہن جو نئی نسل کی نمائندہ۔ کہا جا سکتا ہے کہ عورتوں میں جذب وقبول کا جو فطری مادہ مردوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے، یہ بھی اُسی سے جُڑا ہوا ہے۔ یہ اُن پنجابنوں کے لیے لمحہ فکریہ بھی ہے جو اپنے معصوم بچوں سے اُن کی مادری زبان چھیننے پر تُلی ہوئی ہیں۔ پھر سندھی، بلوچی، پختون، پنجابی اور پاکستانی علیحدہ علیحدہ شناختیں قرار دی گئیں اور یہ کہ پاکستانی شناخت صرف اردو بولنے والوں سے جُڑی ہوئی ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ جو اردو اپنائے گا وہی پاکستانی کہلائے گا۔

شاعر نے جب ماروی سے شادی کے لیے اپنی بہن سے کہا تو جواب کے آغاز میں لفظ ''اُونہ'' مقامیت اور مقامیوں سے نفرت اور تضحیک کے ساتھ ساتھ بیان کرنے والے کے احساس برتری کا عکاس ہے۔ جبکہ بلوچی لڑکی پشمینہ کو واضح الفاظ میں پاکستانی ماننے سے انکار کیا گیا۔ پٹھان لڑکی زینب کے حوالے سے انکار زبان وثقافت کے اختلاف کی بنیاد پر ہے۔ پنجابی لڑکی فرح کا معاملہ مختلف ہے کہ وہاں انکار صرف زبان کے اختلاف کے پیشِ نظر ہے یہ اختلاف اتنا شدید ہے کہ بڑے بھیا، کو کہنا پڑا:

''ہمارے ساتھ اُس کا گزارا نہیں ہوگا'' (9)

گویا اردو سپیکنگ اور پنجابی دو مختلف اور مستقل اقوام ہیں۔ اس طرح محمود شیرانی (10) کے اُس مغالطے کی بھی نفی کر دی گئی کہ پنجابی اور اردو کی ولادت گاہ ایک ہی مقام ہے۔ نظم کے درمیان میں شاعر کا اپنے والد سے ہم کلام ہونے کے بعد آخر میں دوبارہ اپنی شادی کے سلسلے میں آخری فیصلے کے طور پر مخاطب ہونا اُس ''پدرسری'' نظام کی طرف اشارہ کرتا ہے جو برصغیر پاک و ہند میں زمانہ

قدیم سے جاری و ساری ہے۔نظم کی ابتداء میں بچپن کے پیار کا تذکرہ تو ہے مگر اُس کے انجام کی وضاحت نہیں۔ شاید یہ پیار بچپنے کی نذر ہوگیا ہوگا۔ مگر لڑکپن میں بنگالی لڑکی کی گہری آنکھوں کا سحر یعنی سحر بنگال اُس احساس محرومی کی نذر ہوگیا جس نے بنگلہ دیش کی آزادی سے جنم لیا۔ یوں یہ آزادی شاعر کے جذبات کی قاتل ٹھہری۔ اس حصے کے آخری مصرے ظاہر کرتے ہیں کہ شاعر ابھی تک اس جدائی کی کسک محسوس کر رہا ہے۔نظم کے اس ابتدائی حصے کی فضا نظم کے اگلے حصے سے مختلف ہے۔ یہاں ہزاروی یا بنگالی لڑکی سے شادی کی بات نہیں کی گئی۔ شاید اس لیے کہ یہ بچپن اور لڑکپن کا زمانہ ہے اور یہاں شادی کا اظہار شاید غیر فطری ہوتا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اگر اظہار کیا جاتا، گو غیر فطری ہی سہی، تو لسانی حوالے سے کوئی اور رائے ہی سامنے آجاتی۔ جہاں سے رائے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ عہد یقیناً مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد کا زمانہ ہے، یعنی موجود پاکستانی عہد۔ اب یہاں دیکھنا یہ ہے کہ اس تمام تر صورت حال کو دیکھتے ہوئے شاعر نے کیا فیصلہ کیا۔ یہی کہ وطن عزیز چھوڑ کر دیارِ غیر کا رُخ کیا جائے اور پھر وہاں ایک لڑکی سے شادی کر لی جو بقول شاعر: ''صرف ایک لڑکی ہے''۔ جو نہ ہم وطن، نہ ہم زبان، نہ ہم ثقافت۔ یہاں 'شادی' محبت کا ایک ایسا استعارا بن جاتی ہے کہ جس کے لیے رنگ و نسل اور زبان و ثقافت کے تمام بُت بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں اور شاعر کا دیار غیر میں شادی کرنا اسی پیغام کو لیے ہوئے ہے۔ مگر دوسری بات کہ:

''میرے والدین میرے لیے
ابھی تک ایک پاکستانی لڑکی تلاش کر رہے ہیں'' (ص 81)

اس بات کی نشاندہی ہے کہ ہمارے بزرگ ابھی بھی اپنی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ وہی ڈگر وہی رستہ کہ جس پر وہ تقسیمِ پاک و ہند سے قبل سیاسی صورتِ حال کے پیش نظر ''نظریۂ ضرورت'' کے تحت قائم تھے۔مضمون کی ابتداء میں کتاب ''اردو قوم'' کے مصنف کے جس نقطہ نظر کی بات کی گئی کہ وہ مختلف پاکستانی زبانیں اور ثقافتیں رکھنے والوں کو اختلاطِ نسل کے ذریعے ایک قوم بنانے کی بات کرتا ہے۔ مگر نظم 'شادی' میں ایسا نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ شاعر نے چاروں صوبوں کی

چاروں زبانیں بولنے والی لڑکیوں کو پاکستانی کہا ہے اور یہ کہ جس ''پاکستانی لڑکی'' کی تلاش اُس کے بزرگوں کو ہے، وہ اُنہیں ابھی تک نہیں مل سکی اور شاید کبھی مل بھی نہ سکے۔ مگر اُس کے شادی شدہ ہونے کے بعد بھی اُس کے والدین کی طرف سے ''پاکستانی لڑکی'' کی تلاش معنی خیز ہے، کہ اُنہوں نے اُس کے فیصلے کو قبول نہیں کیا۔ اس طرح کہا یہ گیا کہ لسانی سطح پر پیار محبت، ہم آہنگی، اتحاد و اتفاق کے لیے وطنِ عزیز کا مزاج و فضائی الحال موزوں نہیں۔

نظم میں قابلِ تشویش بات یہ ہے کہ خاندان کے تمام افراد یک زبان ہیں اور حوصلہ افزاء یہ کہ اس خاندان میں کوئی ایک ایسا ہے جو اس چالو ڈگر سے ہٹنے کا صرف سوچ ہی نہیں رہا بلکہ ہٹ چکا ہے۔

☆☆☆☆

حوالے

1- ہفت روزہ ''لیل و نہار'' کراچی۔ 2 اگست 1970ء۔ ص 16 , 15

2- ندیم احمد: اردو قوم؛ ویلکم بک پورٹ کراچی، اکتوبر 2009ء

3- روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور۔ 29 جون 2011ء ص 2

4- ایضاً

5- جمیل الرحمٰن: کارنیوال؛ ملٹی میڈیا افیئرز لاہور، 2012ء ص 79 تا 81

6- ایضاً ص 80

7- ایضاً ص 80

8- ایضاً ص 81

9- ایضاً ص 81

10- محمود شیرانی: پنجاب میں اردو؛ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 2005ء ص 79

❀……❀……❀